سلسلۂ تقاریر "تعارف الکتاب"

ڈاکٹر اسرار احمد

تِلْكَ الرُّسُلُ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط (البقرہ: ۲۵۳)

قرآن حکیم کا تیسرا پارہ "تلک الرسل" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پہلے سورۃ البقرہ کی آخری چونتیس آیات شامل ہیں جو تقریباً سات رکوعوں میں منقسم ہیں اور اس کے بعد سورہ آل عمران کی اکانوے آیات شامل ہیں جو نو رکوعوں میں منقسم ہیں۔ سورۃ البقرہ کی جو آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں بالکل آغاز ہی میں وہ آیۂ مبارکہ بھی ہے جسے متعدد روایات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے یعنی "آیۃ الکرسی"، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (البقرہ: ۲۵۵)

اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے اور پوری کائنات کو وہی تھامے ہوئے ہے۔ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ یہ آیۂ مبارکہ بالخصوص توحید کی صفات کے میدان میں نہایت جامع اور بہت ہی عظمت کی حامل ہے۔ اس میں شفاعتِ باطلہ کی بھی نفی کی گئی ہے: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط "کون ہے شفاعت کرنے والا جو اللہ کے ہاں شفاعت کر سکے، مگر اس کی اجازت سے"۔ یہ شفاعتِ حقّہ ہے جو اللہ کی اجازت سے ہوتی ہے۔ اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اپنی امت کے حق میں اور اولیاء اللہ کو بھی، اللہ کے پسندیدہ بندوں کو بھی، اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور وہ شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن یہ کہ بغیر اللہ کی مرضی کے، وہاں کسی کو بھی بولنے کا یارا نہ ہوگا۔

اس کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات میں سے وہ واقعہ بھی ذکر ہوا جو شہنشاہِ وقت کے دربار میں پیش آیا، جبکہ انھوں نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری جرأتِ مردانہ کے ساتھ ایمان باللہ کا اعلان کیا اور توحید کا غلغلہ بلند کیا اور وہ واقعہ بھی کہ جس میں خود انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور یقین میں اضافہ کے لیے درخواست کی کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ (البقرہ: ۲۶۰) "پروردگار دکھا مجھے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔"

اس کے بعد سورۃ البقرہ کے دو رکوع "انفاق فی سبیل اللہ" کی ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہیں۔ یعنی جہاں اللہ کے دین کے لیے جسمانی محنت و مشقت کی ضرورت ہے، وہاں مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا مال خرچ کرو، بھلائی کے دوسرے کاموں میں بھی، غرباء کے لیے بھی، مساکین کے لیے بھی، لیکن اس کی جو بہت بہتر اور برتر صورت ہے وہ یہ کہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے، اللہ کے دین کے غلبے کے لیے، اللہ کی راہ میں مال صرف کیا جائے، اور یہ مال پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف کیا جائے، اس میں ریاکاری کا کوئی پہلو شامل نہ ہونے پائے۔ اس میں جو بہتر اور انسان کو محبوب تر ہو وہ خرچ کیا جائے۔ تو دو رکوعوں میں بڑی جامعیت کے ساتھ "انفاق فی سبیل اللہ" کا ذکر ہے اور یہ درحقیقت ایک گوشہ ہے جہاد فی سبیل اللہ ہی کے حکم کا۔ اس لیے کہ جہاد کا حکم قرآن پاک میں جہاں بھی آیا وہاں اس کے دونوں پہلو بیان ہوئے: وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (الصف: ۱۱) جہاں جان سے جہاد مطلوب ہے انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرے، یہاں تک کہ اگر وقت آئے یا ضرورت درپیش ہو تو اپنی جان کا نذرانہ بھی بارگاہِ ربانی میں پیش کر دے، تو وہاں مال کا صَرف کرنا بھی دین کے غلبے کے لیے اور دین کی نشر و اشاعت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد ایک حکم میں انفاق فی سبیل اللہ کے جو بالکل برعکس صفت ہے، یعنی انسان کے دل میں مال کی محبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ وہ سُود کے ذریعے سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ دوسرے غریبوں کا خون چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرے، اس کی انتہائی شدت کے ساتھ مذمت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جن جن چیزوں سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے ان میں جس شدت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ شدت کسی اور حکم میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس لیے فرمایا گیا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ: ۲۷۹) "اگر تم اس سے باز نہ آؤ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ!" تمہارے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں معاملاتِ انسانی کی درستی کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو تو اس کو ضرور لکھ لیا کرو۔ اس میں معاملات کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس ضمن میں شہادت کا قانون بھی بیان ہو گیا۔

اس کے بعد سورۃ البقرہ کا آخری رکوع وارد ہوتا ہے جو انتہائی جامع ہے، جس میں فرمایا گیا کہ:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ (البقرہ: ۲۸۵)

گویا کہ ایمانیات کا بڑی جامعیت کے ساتھ یہاں ذکر ہو گیا اور آخر میں ایک عظیم دعا پر یہ سورۃ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمارا مواخذہ نہ کیجیو ان خطاؤں پر جو ہم سے بھول چوک سے سرزد ہو جائیں اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جو تو ہم سے پہلی قوموں پر ڈالتا رہا ہے۔ اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیو، جس کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیو اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیجیو، ہماری بخشش کیجیو اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیو۔ یہ آخری لفظ گویا کہ تنبیہہ بن گیا کہ اب کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال بالسیف کا دور شروع ہونے والا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے بعد قرآنِ حکیم میں سورۂ آلِ عمران آتی ہے۔ یہ سورہ ہر اعتبار سے سورۃ البقرہ ہی کا جوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا: "اَلزَّهْرَاوَيْن" یعنی دو انتہائی روشن سورتیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا آغاز بھی قرآنِ مجید کی عظمت، کلامِ الٰہی کی برکت اور بالخصوص اس حقیقت کی طرف منعطف کروانے سے ہوا کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ۔ کچھ تو وہ ہیں کہ جن کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں قطعاً کسی ابہام کا شائبہ موجود نہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے حقیقی اور صحیح مفہوم کے تعین میں کچھ اشتباہ پیش آسکتا ہے۔ تو جو اہلِ حق ہیں، طالبِ ہدایت ہیں وہ آیاتِ محکمات ہی کا تتبع کرتے ہیں اور ان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں کوئی زیغ ہے، کوئی کھوٹ ہے، جو درحقیقت طالبِ ہدایت نہیں ،

طالب ضلالت ہیں وہ آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے مفہوم کے تعین کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ان تمہیدی آیات کے بعد گفتگو جو ہے وہ اکثر بیشتر نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی سورۃ البقرہ میں اہلِ کتاب میں سے یہود کو خطاب کیا گیا اور سورۂ آلِ عمران میں خطاب کیا گیا نصاریٰ اور متبعین حضرت مسیح علیہ السلام کو۔ ان سے سب سے زیادہ جو بات وضاحت کے ساتھ فرمائی گئی وہ الوہیتِ مسیح کے عقیدے کی نفی ہے۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں اور بہت ضعیف ہو چکی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بڑھاپے میں اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ اس طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے ہاں بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اپنے حکم سے کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں یا ان کا الوہیت میں کوئی دخل ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں خرقِ عادت کے طور پر حضرت یحییٰ کی ولادت سے حضرت یحییٰ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا گیا تو اگر بن باپ کے بیٹے کی پیدائش حضرت مریم کے ہاں ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید کیوں سمجھا جائے اور یہ لازم کیوں سمجھ لیا جائے کہ حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ ان کے اس عقیدے کی اس پُرزور نفی کے بعد کچھ گفتگو اہلِ کتاب سے بحیثیتِ مجموعی بھی ہوئی جس پر یہ پارہ ختم ہوتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔